نصیرالدین ازہر

سجاد ظہیر — بحیثیت صحافی

سجاد ظہیر کی شخصیت رنگا رنگ اور مختلف الجہات تھی۔ وہ ایک طرف ترقی پسند تحریک کے روحِ رواں تھے اور اس کوچے میں وہ مرتبہ حاصل کر لیا تھا کہ ترقی پسند تحریک کے موجد اور خاتم کہلائے تو دوسری طرف وہ ایک بے مثل صحافی بھی تھے۔ یہ اردو صحافت کی خوش نصیبی ہے کہ اسے سجاد ظہیر جیسا سر پرست ملا۔ وہ صحافی بھی تھے اور ادیب بھی۔ انھوں نے تاحیات ادب اور صحافت دونوں کو اپنی دعوت اور سیاست کا تابع اور آلہ کار بنائے رکھا۔ صحافت سجاد ظہیر کے لیے ہدفِ اصلی نہیں تھی بلکہ کاروبارِ شوق تھی یا وسیلۂ اظہار۔ یعنی وہ اس کوچے میں نفع و ناموری کی خاطر نہیں داخل ہوئے بلکہ نقصان برداشت کر کے وطن کی خدمت کے خواہاں تھے اور یہی ان کا مشن تھا۔

انھوں نے متعدد اخبار و رسائل کے فرائض انجام دیے اور بہت سے اخبار و رسائل کے تاحیات قلمی معاون رہے۔ اس میدان میں سجاد ظہیر نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ اگر وہ صرف صحافی ہوتے تب بھی ادب و صحافت کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت کے حامل ہوتے۔

سجاد ظہیر کی صحافت کا آغاز 22 سال کی عمر میں لندن میں ہوا۔ سجاد ظہیر 1926 میں اعلیٰ تعلیم کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی لندن چلے گئے۔ وہاں ان کے چند ہم خیال طلبہ اور بھی تھے جو دنیا میں پھیل رہی ظلم و بربریت اور عوامی استحصال سے پریشان اور ایک ایسے معاشرے کے خواہاں تھے جس میں سب کو عزت سے زندگی گزارنے کا حق حاصل ہو۔ ان طلبہ کے یہ خیالات آہستہ آہستہ انھیں کمیونزم کی طرف مائل کر رہے تھے اور ان کے دماغ ایسے فلسفے کی جستجو میں تھے جو سماج کی بڑھتی ہوئی پیچیدگیوں کو سمجھنے اور سلجھانے میں مدد دے سکے۔ لہٰذا یہ طلبہ حصولِ تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک ایسے ہندوستانی طلبہ کا حلقہ بنانے میں کامیاب ہو گئے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اپنے خیالات کو پہنچا سکے، چونکہ اس دور میں خیالات کی جلد اور بہترین ترسیل صرف اخبارات کے ذریعے ہی ممکن تھی۔ لہٰذا ان ہندوستانی طلبہ کے

گروپ نے جس میں سجاد ظہیر پیش پیش تھے اور''بھارت'' نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ 1927 میں سجاد ظہیر پہلی دفعہ اس کے مدیر منتخب ہوئے۔ سجاد ظہیر کی صحافتی زندگی میں اس رسالے کی اشاعت و ترتیب وغیرہ کی الجھنوں اور منزلوں کا بخوبی علم ہو گیا۔ یہ رسالہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور اشتعال انگیز مواد کی اشاعت کے سبب آکسفورڈ یونیورسٹی کے اربابِ اقتدار نے حکومت کے دباؤ میں آکر اسے بند کرادیا۔ اس رسالے کی اشاعت بند ہونے کے بعد سجاد ظہیر مختلف ادبی، سیاسی، سماجی اور علمی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ 1931 کے اواخر میں ہندوستان آمد کے بعد''انگارے'' شائع کیا۔ ''انگارے'' کی اشاعت نے ادبی اور مذہبی حلقوں میں ہلچل سی پیدا کردی اور جواب اور جواب الجواب کا اخبارات و رسائل میں ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ سجاد ظہیر نے خود مختلف موقعوں پر اخبارات و رسائل کے ذریعے حقائق کو آشکار کرنے کی کوشش کی۔

سجاد ظہیر 1935 میں تعلیم مکمل کر کے ہندوستان واپس آئے اور الہ آباد ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے لگے۔ مگر ان کی سیاست پر ادب پسند طبیعت نے ان کو یہاں بھی چین سے نہ رہنے دیا اور اس پیشے کو خیر باد کہہ کر مکمل طور پر ادب وصحافت کی خدمت میں مشغول ہو گیے۔ اسی سال سہارنپور (یوپی) سے شائع ہونے والا ماہ نامہ ''چنگاری'' اور ممبئی سے شائع ہونے والا ''نیشنل فرنٹ'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ سجاد ظہیر کا 1927 سے 1935 تک کا صحافتی سفر تجربہ ومشق کا دور کہا جا سکتا ہے۔ گو کہ اس سفر میں ادارتی ذمے داریاں تو کچھ ہی ایام سنبھالیں لیکن تحریری مشق کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ ان کی نظر اخبار کی افادیت پر ابتدا ہی سے تھی اور وہ ذریعۂ ابلاغ کی حیثیت سے اس کی اہمیت کو محسوس کر رہے تھے۔ 1935 سے وہ ترقی پسند تحریک کی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے اور برطانوی حکومت کے خلاف اشتعال انگیز تقریر کرنے کے جرم میں تین بار جیل گئے۔

1941-42 تک سنٹرل جیل لکھنؤ میں دو سال کی قید کاٹی، قید کے دوران مختلف ناموں سے اخباروں کے لیے لکھتے رہے۔ 1942 میں کمیونسٹ پارٹی سے پابندیاں ہٹا لی گئیں اور تمام کمیونسٹ لیڈروں کے ساتھ ساتھ سجاد ظہیر بھی رہا کر دیے گئے۔ اس زمانے میں کمیونسٹ پارٹی کا پہلا آل انڈیا ہیڈ کوارٹر ممبئی میں قائم ہو چکا تھا اور پارٹی کے ترجمان کی حیثیت سے''قومی جنگ'' اخبار جاری ہو چکا تھا۔ ''قومی جنگ'' کا دوسرا نام People War بھی تھا جو بیک وقت پانچ زبانوں انگریزی، بنگالی، مراٹھی، ہندی اور اردو میں شائع ہوتا تھا۔ ''قومی جنگ'' کے سلسلے میں سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

> ''اردو صحافت، اردو نثر اور اردو کی ترقی پسند تحریک کو اس ہفتہ وار (قومی جنگ) نے بھی متاثر کیا۔ اسی ہفتہ وار کے ساتھ اردو کی مارکسی کتابوں کی اشاعت کے لیے بھی ایک ادارہ''قومی دارالاشاعت'' کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس ادارے نے سوویت یونین کی

کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ ''کمیونسٹ منی فیسٹو''، ''سوشلزم'' اور دیگر کئی مارکسی کلاسیکی کتابیں شائع کی۔ ہندوستان میں مارکسی ادب کی اشاعت کا یہ سب سے بڑا ادارہ تھا جو 1958 تک قائم رہا۔(1)

''قومی جنگ'' اردو کا پہلا ہفتہ وار تھا جو ہندوستان میں کمیونسٹ تحریک کے قانونی ہونے کے بعد بڑے اہتمام سے شائع ہوا۔ اس کے ایڈیٹوریل بورڈ میں زیادہ تر مارکسی ادیب تھے۔ مثلاً سردار جعفری، سبط حسن، کیفی اعظمی، ظ۔ انصاری، کلیم اللہ، محمد مہدی اور چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے خود سجاد ظہیر شامل تھے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد ''قومی جنگ'' کا نام بدل کر ''نیا زمانہ'' رکھا گیا۔ اس کے چیف ایڈیٹر خود سجاد ظہیر تھے اور ایڈیٹوریل بورڈ میں ڈاکٹر محمد اشرف، منظر رضوی، مرزا اشفاق بیگ، عبدالملک، سبط حسن، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، ظ۔ انصاری، ضیا الحسن، علی اشرف اور محمد مہدی جیسے باصلاحیت اور بلند پایہ ادیب شامل تھے۔

سجاد ظہیر کی ادارت میں ''نیا زمانہ'' نہ صرف اپنی سادہ سیاسی زبان، عام فہم طرزِ تحریر اور سیر حاصل متن و مواد کے ذریعے اردو صحافت کی ان عظیم الشان سامراج دشمن روایات کو جو اردو کے بہترین صحافت کے سرورق کہے جانے والے مولانا ابوالکلام آزاد (الہلال والبلاغ)، مولانا محمد علی جوہر (ہمدرد)، مولانا ظفر علی خاں (زمیندار)، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (روزنامہ ہند)، اور قاضی عبدالغفار (پیام) نے قائم کی تھی اور صحافت کو ادب کے مقام پر پہنچایا تھا، کو آگے بڑھایا بلکہ اردو میں اشتراکی صحافت کی شاندار روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک نئی شکل اور ہیئت عطا کی۔

''نیا زمانہ'' کی صحافتی خوبیوں کا بیان کرتے ہوئے سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

> ''دوسری عالمی جنگ کے خاتمہ کے بعد اس ہفتہ وار (قومی جنگ) کا نام ''نیا زمانہ'' ہو گیا۔ گو کہ ہم کو سخت مالی دشواریوں کا سامنا تھا، لیکن بہت جلد ہمارا ہفتہ وار عام طور سے ملک کا سب سے اچھا ہفتہ وار مانا جانے لگا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے تحریر دے کر اس امر کا اعتراف کیا اور کہا کہ سیاسی اختلاف سے قطع نظر صحافت کے اعتبار سے ''نیا زمانہ'' اردو کا سب سے اچھا ہفتہ وار ہے۔ ہم بجا طور پر اس پر فخر کرتے تھے۔ ہمارے ادارے میں جو صاحبان وقتاً فوقتاً کام کرتے تھے (40 روپئے ماہانہ کی اجرت پر) ان کے نام سے لوگ واقف ہیں...... ہمارے ہفتہ وار کی اشاعت اپنے عروج کے زمانے

1۔ اردو میں کمیونسٹ صحافت۔ سجاد ظہیر، حیات، ہفتہ وار، نئی دہلی 11 نومبر، 1973

میں ایک ہزار سے بھی زائد تھی۔''(2)

1947 میں ملک کی تقسیم کے بعد سجاد ظہیر پاکستان چلے گئے اور تین سال روپوش رہے۔ 1951 میں راولپنڈی سازش کیس میں پاکستان نے گرفتار کرلیا اور چار برس تک جیل میں رہے۔ 1955 میں جیل سے رہائی کے بعد ہندوستان لوٹ آئے اور ترقی پسند تحریک جو تعطل کا شکار ہو رہی تھی، کی دوبارہ تنظیم کی اور بیرونی ممالک میں کئی کانفرنسیں منعقد کی۔ دسمبر 1969 میں ہفتہ وار ''عوامی دور'' جاری کیا گیا کیونکہ مالی دشواریوں کے سبب ''نیا زمانہ'' اب بند ہو چکا تھا۔ سجاد ظہیر ''عوامی دور'' کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ مگر یہ اخبار بھی مالی دشواریوں کا شکار ہو گیا اور 1963 میں بند ہو گیا۔ پھر تین ماہ بعد نومبر 1963 میں وہی اخبار ''حیات'' کے نام سے دوبارہ جاری ہوا اور سجاد ظہیر باقاعدہ اس کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے ایڈیٹوریل بورڈ میں ڈاکٹر زیڈ اے احمد اور رمیش چندر گپتا جیسے لوگ شامل تھے۔

''حیات'' کو ترقی کے بامِ عروج پر پہنچانے میں خود سجاد ظہیر کی محنت اور کوششوں کا زبردست دخل تھا۔ اخبار کے فنڈ کی فراہمی سے لے کر اس کی اشاعت بلکہ فروخت کرنے تک کی ذمے داری سجاد ظہیر کے سر پر ہی تھی۔ ''حیات'' کافی حد تک مقبول اخبار ثابت ہوا اور سجاد ظہیر کے انتقال کے بعد بھی کچھ عرصے تک جاری رہا۔ ''حیات'' کی مقبولیت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

> ''حیات کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارے ماضی کی تمام اچھی روایات کا حامل ہے نیز جس نے ہماری بہت سی گزشتہ خامیوں پر قابو پالیا ہے۔ حیات کی اشاعت کا رفتہ رفتہ بڑھنا اس کا ثبوت ہے۔''(3)

سجاد ظہیر 1936 سے تا دمِ مرگ یعنی 1973 تک مختلف اخبارات و رسائل میں ادبی، سیاسی، سماجی اور صحافتی نوعیت کے مضامین لکھتے رہے۔ ان مضامین میں زیادہ تر قومی اور بین الاقوامی سیاست اور سماجی حالات کو ہی موضوعِ بحث بنایا ہے اور تقریباً ہر مضمون میں اشتراکی خیالات و نظریات ہی پیشِ نظر رہے ہیں۔ صحافت کے سلسلے میں سجاد ظہیر کا نظریہ بھی وہی تھا جو کارل مارکس اور لینن کا تھا۔ لہٰذا اخبارات و رسائل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عالمی کمیونسٹ رہنما لینن نے اپنی ابتدائی تحریر میں تمام کمیونسٹوں کو یہ سبق دیا ہے کہ کوئی بھی تحریک بغیر اخبارات کے نہیں چل سکتی۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ ایک مرکزی اخبار کے ذریعے ہی ہم نظریاتی اور تنظیمی اعتبار سے اپنی تحریک کو متحد اور منظم کر سکتے ہیں۔ پارٹی کے اخبار کے لیے فنڈ فراہم کرنا، اس کے لیے زیادہ سے زیادہ خریدار بنانا، اس کی

2۔ اردو میں کمیونسٹ صحافت۔ سجاد ظہیر، حیات، ہفتہ وار، نئی دہلی 11 نومبر، 1973

3۔ حیات کے پانچ سال۔ سجاد ظہیر (اداریہ)، حیات۔ 17 نومبر، 1968

اشاعت کو بڑھانا، دراصل پارٹی کو منظّم کرنے کا دوسرا نام ہے۔ پارٹی اخبار کی جانب سے لا پرواہی برتنا، پارٹی کی تنظیم کی طرف سے لا پرواہی برتنا ہے۔ اگر ہماری پارٹی وہ مضبوط آہنی زنجیر ہے جو ہماری صفوں کی چوڑی کڑی ہے، تو ہمارا اخبار اس زنجیر کی سب سے مضبوط کڑی ہے۔ جب ہماری پارٹی غیر قانونی ہوتی ہے اس وقت بھی ہم اپنا اخبار نکالتے ہیں۔ اس لیے آخر میں ہم تمام رفیقوں اور کمیونسٹ تحریک کے ہمدردوں اور دوستوں سے یہی درخواست کریں گے کہ وہ اپنے ہفتہ وار کی اشاعت بڑھانے، اس کے مستقل خریدار بنانے، اس کی رقوم کی ادائیگی کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ برتیں۔'' (1)

سجاد ظہیر کے اس قول سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ صحافت کے معاملے میں اخبار و رسائل کو کیا اہمیت دیتے تھے اور کس طرح کی پابندی کے قائل تھے۔ پارٹی کو منظّم رکھنے، تحریک کو متحرک رکھنے اور عوام میں اپنے خیالات ونظریات کی ترسیل کے بہترین ذرائع اخبار و رسائل ہی ہوتے ہیں۔

صحافت کے ذریعے سجاد ظہیر کا مقصد محنت کش عوام کی جدو جہد کی حمایت کرنا، سوشلزم قائم کرنا، سامراج کے خلاف عالمی امن کے لیے اپنی آواز کو بلند کرنا، اردو زبان کو اس کا جائز حق دلانا، ہندو مسلم فرقہ پرستی کی مخالفت کرنے خصوصاً ترقی پسند نظریات اور ادب کی ترویج و ترقی کے لیے لگاتار کوشش کرتے رہنا اور ایک انقلابی اشترا کی نظام قائم کرنا تھا، اور تا حیات وہ انھیں اصولوں پر کار بند رہے۔ اپنی بے لاگ اور صاف ستھری صحافت سے سجاد ظہیر نے بے شمار اردو ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو متاثر کیا۔

سجاد ظہیر متعدد اخبار و رسائل کے مختلف اوقات میں ایڈیٹر اور چیف ایڈیٹر رہے۔ اس کے علاوہ چالیس برس تک ادبی، معاشرتی اور سیاسی موضوعات پر مضامین لکھتے رہے جو ہند اور بیرونِ ہند کے نامور اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوئے یا ریڈیو پر نشر کیے گئے۔

سجاد ظہیر کے مطبوعہ مضامین جو مختلف اخباروں اور رسالوں میں مختلف اوقات میں شائع ہوئے وہ سیکڑوں کی تعداد میں بکھرے پڑے ہیں۔ انھیں تلاش اور یکجا کرنا ایک مشکل مرحلہ تھا پھر بھی میں نے کافی جدو جہد اور تلاش بسیار کے بعد انھیں یکجا کیا ہے۔

یہاں طوالت کے خوف سے ان سارے مضامین کا ذکر کرنا نہیں چاہتا تاہم ان کے چند نمائندہ مضامین سے کچھ حوالے قارئین کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ ان مضامین کی مختلف عبارتوں سے سجاد ظہیر کے نثری اسلوب پر کچھ روشنی پڑ سکے۔

سجاد ظہیر کے یہ مختلف النوع مضامین جو مختلف موضوعات اور مختلف صنفوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً

1۔ اردو میں کمیونسٹ صحافت۔ سجاد ظہیر، حیات، ہفتہ وار، نئی دہلی 11 نومبر، 1973

سفرنامے، رپورتاژ، اداریے، تبصرے، تحقیقی، تنقیدی، سیاسی، سماجی اور صحافتی مضامین۔ ان مضامین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سجاد ظہیر کی عصری ادب سے گہری دلچسپی رہی اور وقتاً فوقتاً اس کے مسائل کے بارے میں اپنے خیالات و افکار کا بھی اظہار کرتے رہے ہیں۔ ان کے زمانے میں کوئی ایسا ادبی مسئلہ یا موضوع نہیں تھا جس کے بارے میں انھوں نے اظہار خیال نہ کیا ہو۔ ان کی تخلیقی جہات کسی خاص موضوع تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ زندگی سے جڑی ہر سچائی اور زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر واقعات و حالات پر لکھنے کی قدرت رکھتے تھے۔ ان کی فکر عالم گیر تھی اور نگاہ میں آفاقیت۔ پھر بھی آیئے ہم سجاد ظہیر کی صحافیانہ نثر اور اس کے افکار کو مندرجہ ذیل مختلف النوع اخبار و رسائل کے حوالے سے دیکھیں:

''مضامین سجاد ظہیر'' میں شامل ان کا پہلا مضمون بہ عنوان ''اردو شاعری کے چند مسئلے'' میں اردو شاعری کے چند اہم پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''فن میں قاعدے اور قانون، اسلوب اور طرز اس کی معنوی خوبیوں کو بڑھانے، اسے زیادہ پر تاثیر بنانے کے لیے ایجاد ہوئے۔ لیکن فن کے انحطاط کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ جب یہی قاعدے اور اسلوب اصل فن قرار پانے لگیں اور معنوی خوبیاں، یعنی احساس کی نزاکت اور سچائی رفتہ رفتہ ضمنی چیزیں قرار پائیں، آرائش اور زینت کو سب کچھ سمجھا جائے، زبان کی سلاست، بندش کی چستی، قافیے اور ردیف کی برجستگی، سب اچھی چیزیں ہیں جن سے کلام کے اثر میں اضافہ ہوتا ہے لیکن جب کوئی انھیں پر سر دھنے، جب زبان کا چٹخارہ اور جملے بازی، احساس کی لذت کی جگہ لے لیں، جب روح کے سب سے پوشیدہ اور سب سے لطیف نغموں کو چھیڑنے کے بجائے وقتی مزاح اور تفریح کو شاعری کا مقصد بنا لیا جائے، جب انسان اور اس کی قسمت موضوعِ سخن نہ ہو، بلکہ ان کی طرف سے پیٹھ موڑ کر مصنوعی ہیجان اور مبتذل حظ کو فن کا منتہا سمجھا جائے، تب یہ ضروری ہے کہ سچے اور ایماندار فن کار اس تمام ملمع سازی، اس دروغ اور تصنع کے بازار کے خلاف بغاوت کریں اور ان جھوٹے خداؤں کے بتوں کو توڑ دیں۔''(1)

ہماری شاعری پر ایک ایسا دور بھی آیا ہے جب شاعری صرف تفننِ طبع اور عام دلچسپی کی چیز سمجھ کر کی جاتی رہی ہے۔ بلکہ شاعری کو ایک رسم اور رواج کے طور پر اپنایا گیا۔ فقرے بازی، زبان کے چٹخارے اور حد سے زیادہ غلو اور ہیجان پرور شاعری، شاعری کی روح کو مجروح کرتی ہے۔ لیکن سجاد ظہیر کو امید ہے کہ اس انداز کی شاعری کا بازار ہمیشہ گرم نہیں رہ سکتا۔ ایک وقت آئے گا جب شعرا اس قسم کی شاعری

1۔ اردو شاعری کے چند مسئلے۔ مضامین، سجاد ظہیر، ص۔14

کے خلاف بغاوت کریں گے۔سجادظہیر کے خیال میں جب تک شاعری حد درجہ سنجیدہ،فلسفیانہ، گہری اور تہہ دار نہ ہو اور جب تک اس میں زندگی کے اہم ترین مسئلوں اور سماج کی پیچیدہ اور سنگین حقیقتوں کا اظہار نہ ہو اسے شاعری نہیں کہا جا سکتا۔

سجادظہیر ترقی پسند تحریک کے پلیٹ فارم سے ہمیشہ اپنے خیالات ونظریات کو ہر موقعے پر پیش کرتے رہے۔اسی طرح اردو زبان کو اس کا جائز حق دلانے کے لیے ہمیشہ آواز اٹھاتے رہے۔فرقہ پرستوں اور اردو دشمنوں کی طرف سے اردو کو مسلمانوں کی زبان کہہ کر جب بھی اسے نظر انداز کرنے کی مذموم کوشش کی گئی،سجادظہیر نے ایسے فرقہ پرست ذہن رکھنے والوں کے خلاف صف آرا ہو کر اردو کی بقا اور اس کی ترویج و ترقی کے لیے سینہ سپر رہے۔اس کی عمدہ مثال ان کی مشہور کتاب ''اردو ہندی ہندوستانی'' ہے جس میں انھوں نے دلیلوں کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں بلکہ یہ وہ گنگا جمنی تہذیب ہے جو مختلف قوموں، بولیوں اور آپسی ہم آہنگی اور یگانگت سے مل کر بنی ہے۔

اسی طرح جب فرقہ پرستوں نے یہ الزام لگایا کہ اردو کی ترویج وترقی سے ہندی کو نقصان پہنچے گا یا ہندوستان کی وحدت کو صدمہ پہنچے گا تو سجادظہیر نے اپنے ایک مضمون ''اردو کی ترویج وحفاظت سے ہندی کی ترقی بھی وابستہ ہے۔'' میں بڑی وضاحت کے ساتھ مدلل جواب دیتے ہوئے اپنے خیالات اس طرح پیش کیے:

> ''سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ یہ سب ہندی اور ہندوستان کی وحدت کے نام پر کیا گیا۔دنیا کی کوئی دو زبانیں ایک دوسرے سے اس قدر قریب نہیں جتنا کہ جدید ہندی اور اردو، دونوں کھڑی بولی سے نکلی ہیں۔دونوں کے گرامر اور محاورے بڑی حد تک ایک ہیں۔دونوں کی صوتیات بھی بیشتر ایک سی ہیں،اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دونوں کی بول چال ایک ہے، ہندی بولنے والے کو اردو بولنے والا اور اردو بولنے والے کو ہندی بولنے والا کہا جاتا ہے۔ممبئی میں جو فلمیں بنتی ہیں ان کے مکالمہ نگار اور گیت کار تقریباً سب اردو کے ادیب اور شاعر ہیں۔لیکن ان فلموں کو ہندی فلمیں کہا جاتا ہے اور کسی ہندی بولنے والے کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔اردو کے افسانے ہندی کے ادبی رسالوں میں زبان کی برائے نام تبدیلی کے ساتھ چھپتے ہیں اور ہندی والے انھیں شوق سے پڑھتے ہیں۔جدید ہندی افسانہ اور ناول نگاروں میں کئی ایسے لکھنے والے ہیں جن کی تحریریں اگر اردو رسمِ خط میں شائع ہوں تو انھیں بامحاورہ اردو کہا جا سکتا ہے۔اس لیے اردو سے ہندی کو یا ہندی کی ترقی سے اردو کو کوئی نقصان پہنچے گا کوئی سوال نہیں

اٹھتا۔ گنگا کا وجود جمنا کو یا جمنا کا وجود گنگا کو کیسے نقصان پہنچا سکتا ہے......قومی وحدت کو کسی زبان سے صدمہ نہیں پہنچتا۔ اسے صدمہ پہنچتا ہے تہذیبی علیحدیت کے نظریے پھیلانے والوں سے۔''(1)

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کا جو طوفان اٹھا وہ آج تک تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ ہندو مسلم فسادات آئے دن ہمارے ملک میں ہوتے رہتے ہیں۔ سجاد ظہیر ایک سلجھے ہوئے ادیب اور بے باک صحافی تھے۔ سیاسی اور سماجی حالات و مسائل پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ سجاد ظہیر نے اپنے مضمون میں ان عناصر کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے سماج میں فرقہ واریت کا زہر پھیلتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''انگریزی راج کے دنوں میں تمام آزادی خواہ ہندوستانی بیک آواز یہ کہتے تھے کہ ہندو مسلم جھگڑے انگریز کرواتے ہیں۔ آزادی کی تحریک کو کمزور کرنے کے لیے ہندوستانیوں میں پھوٹ ڈلوانا ان کا بنیادی سیاسی مقصد تھا۔ اس لیے وہ عناصر جو انگریز پرست تھے اور آزادی نہیں چاہتے تھے، انگریزی حکمرانوں کی شہہ پر آپس میں لڑوا دیتے تھے۔ آج جب کہ ہندوستان آزاد ہے اور انگریزی راج نہیں ہے اس ملک کے ترقی پسند اور جمہوریت پسند عناصر یہ کہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ تناتنی، جھگڑوں اور فساد کے پیچھے ان عناصر کا ہاتھ ہے جو ہندوستانی عوام کو ایک نئے اور خوش حال سماج کی تعمیر کی طرف بڑھنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ جس قسم کی تعمیر سے لامحالہ اور لازمی طور پر عوام کا استحصال کرنے والے عناصر کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ہندو مسلم اور سکھ عوام کے مفاد میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

خوش حال، جمہوری اور سوشلسٹ ہندوستان کے بننے میں سب کا بھلا ہے۔ نقصان صرف محفوظ مفاد پرستوں کا ہے اور ان بیرونی سرمایہ داروں کا جو آج بھی ہندوستان کو طرح طرح کے معاشی ہتھکنڈوں کے ذریعے لوٹ رہے ہیں۔ اس لیے یہی عناصر عوام میں پھوٹ ڈال کر ان کو کمزور کرنے کے لیے فرقہ واریت پھیلاتے ہیں۔''(1)

فرقہ واریت کے اس زہریلے ناگ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

''فرقہ وارانہ جھگڑوں اور فساد کا بار بار ملک کے مختلف حصوں میں پھوٹ پڑنا، ملک کی مسلم اقلیت کا اپنے کو غیر محفوظ محسوس کرنا اور فرقہ پرستی کی بنیاد پر اقلیت کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں میں تفریق کا برتا جانا، یہ ثابت کرتا ہے کہ فرقہ وارانہ زہر

1۔ اردو کی ترویج وحفاظت سے ہندی کی ترقی بھی وابستہ ہے۔ سجاد ظہیر، حیات۔ اکتوبر، 1964، خصوصی ضمیمہ، ص۔ 14

ہمارے سماج میں اس بری طرح سے پھیلا ہوا ہے کہ فرقہ پرستی کے بدترین مظاہر کو ان کے پھوٹ پڑنے پر دبا دینے سے کام نہیں چلے گا اور یہ نا کافی ہے۔ضرورت اس کی ہے کہ اس مہلک معاشرتی وبا کو ختم کرنے اور دبانے سے مطمئن نہ ہوں بلکہ معاملے کی تہہ تک جا کر اس زہر کو معاشرے کے جسم سے ایک فاسد مادے کی طرح نکالنے کی تدابیر اختیار کریں جس کے سبب سے فرقہ واریت پر مبنی مختلف خرابیاں (فرقہ وارانہ فساد، قتل و خون اور غارت گری، فرقہ وارانہ کشیدگی، عناد اور دشمنی، فرقہ واریت کی بنا پر تفریق، امتیاز اور بے انصافی وغیرہ) برابر کسی نہ کسی شکل میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔'' (1)

"Communalism in the writing of Indian History"

''ہندوستان کی تاریخ نویسی میں فرقہ واریت'' کے عنوان سے People publishing House نے ایک کتاب شائع کی جو تین حصوں پر مشتمل تھی۔ان تینوں حصوں کے الگ الگ مصنف ہیں۔ پہلا حصہ ڈاکٹر رومیلا تھاپر نے لکھا تھا، دوسرا حصہ ہربنس مکھیا اور تیسرا حصہ بپن چندرا نے لکھا ہے۔ یہ تینوں کافی مشہور و معروف اور کافی حد تک معتبر مؤرخ مانے جاتے ہیں۔سجاد ظہیر نے ان تینوں مؤرخوں کے بیانات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اپنے خیالات و نظریات کی دلیلوں اور ثبوتوں کے ذریعے پیش کر کے یہ حقیقت واضح کی کہ انگریزوں نے ہندوستانی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا ہے اور ہمارے ہندوستانی مؤرخوں نے اس پر یقین کر کے اور اس کو بنیاد بنا کر تاریخ لکھی ہے۔

ہندوستان میں فرقہ واریت کے زہر پھیلانے اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے انگریزوں نے جو تاریخ رقم کی، ہندوستانی مؤرخوں نے بھی اپنی سہولت اور نظریے کے مطابق اس میں تبدیلی پیدا کر لی اور مسلمانوں کے خلاف تاریخ میں جا بجا نفرت پیدا کرنے والے مواد جمع کر دیے۔

سجاد ظہیر نے اسی غلط تاریخ کے خلاف اپنے مطالعے اور تحقیق کو بنیاد بنا کر مثالوں اور دلیلوں کے ساتھ پیش کیا۔سجاد ظہیر نے رومیلا تھاپر کے اس بیان کو کوڈ کیا ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے:

''جدید فرقہ واریت کے نظریات کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ماضی کی تاریخ سے ان نظریات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس طرح ہندو فرقہ پرست یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم کی ہندو سوسائٹی ایک مثالی سوسائٹی تھی اور ہندوستان کی تمام خرابیاں مسلمانوں کے یہاں آنے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ بالکل اسی طرح مسلمان فرقہ پرست اپنی علیحدیت کی جڑیں ازمنہ وسطیٰ کے آغاز

1۔ فرقہ واریت کیا ہے؟ سجاد ظہیر۔حیات۔22 اگست، 1967

میں ڈھونڈتے ہیں یعنی گیارھویں یا تیرھویں صدی عیسوی اور اس کے بعد سے۔‘‘(1)

سجاد ظہیر نے اپنے اسی مضمون میں اپنے مطالعے کی بنیاد پر ان تمام حقائق اور پہلوؤں کو بے نقاب کیا ہے جو ہندوستانی تاریخ نویسی میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

موجودہ تحقیق سے آج یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ لکھتے وقت غلط بیانی اور جانب داری سے کام لیا گیا اور اسی وقت فرقہ واریت کا بیج بھی بو دیا گیا، جو آج آر ایس ایس کی شکل میں تناور درخت بن چکا ہے جس کی شاخیں ہندوستان کے ہر شہر میں پھیل چکی ہیں۔

سجاد ظہیر کا تاریخی مطالعہ وسیع تھا۔ انھوں نے اپنی تحقیق سے فرقہ واریت کی جڑوں کو تلاش کر لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان تمام حالات و واقعات اور حادثات کے پیچھے جو اسباب چھپے ہیں وہ دولت اور اقتدار کی ہوس ہے۔ آج جن کے پاس دولت اور اقتدار ہے وہ اپنی مرضی کے مطابق کبھی تو ہزاروں سال کی تہذیبی تاریخ کو بدل دیتے ہیں اور کبھی مذہب اور ذات پات کا سہارا لے کر ہندو مسلم فسادات کروا دیتے ہیں۔ سجاد ظہیر نے اپنے مقالے میں ایسی شہادتیں اور ثبوت بھی پیش کیے ہیں جب ہندو مسلمانوں میں امن و اتحاد تھا اور یگانگت کے ساتھ رہتے تھے۔ مغل دورِ حکومت کی مثال دیتے ہوئے سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

> ’’مغلوں کے زمانے میں حکمراں طبقے کے ہندو، مغل اور ترک منصب دار حکومت کے سب سے اونچے عہدے پر بھی فائز ہو گئے۔ مثلاً راجا ٹوڈرمل، راجا بیربل، راجا مان سنگھ، اورنگ زیب کے عہد میں راجا جسونت سنگھ، راجا امر سنگھ وغیرہ۔ اس پورے سات آٹھ سال کے عہد میں لڑائیاں کبھی بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بحیثیت مذہبی گروہوں کے یعنی فرقہ وارانہ لڑائیاں نہیں ہوئیں۔ اگر لڑائیاں ہوتی تھیں تو وہ امیروں، راجاؤں اور فرماں رواؤں کے مابین ہوتی تھیں۔ مسلمان حکمراں اور امیر ہندو راجاؤں اور امرا کے خلاف بھی لڑتے تھے (اقتدار، ملک گیری اور دولت کے لیے) اور آپس میں بھی ہندو راجا اور امیر ہندو راجاؤں اور امیروں کے خلاف لڑتے تھے۔‘‘(1)

ماضی سے لے کر جدید دور کے تاریخی مطالعے اور تحقیق کی روشنی میں حالات و اسباب کا تجزیہ کرنے کے بعد سجاد ظہیر اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’ضرورت اس کی ہے کہ ملک کے ترقی پسند دانشور اور ادیب، مؤرخ، صحافی اور کلچر اور تہذیب کے طلبہ اور علما میں ان امور پر غور اور بحث و مباحثہ کر کے ہندو اور مسلم رجعتی

1۔ ہندوستان کی تاریخ نویسی میں فرقہ واریت کا زہر۔ سجاد ظہیر۔ حیات۔ 23 اگست، 1970

عناصر اور فرقہ پرست ذہنیت رکھنے والوں کے خلاف حق پرستی، سچائی، حب الوطنی اور عوام دوستی کا علم بلند کریں اور فرقہ پرستی کو نظریاتی میدان میں شکست دیں۔ جھوٹ کا سکہ بہت دنوں تک نہیں چل سکتا۔ اس کی فتح کے لیے سچائی کے سورج پر سے سیاہ بادلوں کو ہٹانے کے لیے ہمیں سخت اور طویل جدو جہد کرنا ہوگی۔

ہم کو ڈاکٹر رومیلا تھاپر، ہربنس مکھیا اور بپن چندرا جیسے نوجوان اور ترقی پسند مؤرخوں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنی مختصر لیکن حقائق و دلائل سے بھری کتاب لکھ کر اس ضروری علمی اور قومی جدو جہد کی نشاندہی کی ہے۔''(1)

سجاد ظہیر نہ صرف فرقہ پرستی کے خلاف تھے اور اس زہریلے درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتے تھے بلکہ مذکورہ اقتباسات سے ان کی تاریخ سے گہری دلچسپی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈی شملہ کے زیر اہتمام ''ہندوستان اور ہم عصر اسلام'' کے عنوان کے تحت ایک سمینار منعقد کیا گیا۔ اس سمینار میں تقریباً 35 مقالہ نگاروں نے شرکت کی تھی اور یہ سمینار 13 دنوں تک چلتا رہا۔ اس سمینار میں سجاد ظہیر نے ''ہندوستان کی قومی زندگی میں مسلمانوں کا تاریخی رول'' کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھا۔ سجاد ظہیر نے اپنے مقالے میں گزشتہ تیس (30) سال کی مسلم سیاست کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تھا:

''ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان کی عام قومی زندگی اور جدید زندگی کے دھاروں میں پوری طرح پڑ کر ہندوستانی تہذیب اور ہندوستانی سماج میں ضروری تبدیلیاں لانے کے لیے اپنا تاریخی رول ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کا خیال رکھتے ہوئے علیحدیت کے تمام رجحانات کو ترک کردیں اور قومی زندگی کا اہم جز بننے کی کوشش کریں۔''(1)

سجاد ظہیر نے مذکورہ سمینار کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے سمینار میں پڑھے جانے والے تمام مقالوں اور مقالہ نگاروں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ چونکہ پورے سمینار میں مسلمانوں کے مسائل ہی زیر بحث رہے۔ زیادہ تر مقالہ نگاروں کا یہی خیال تھا کہ موجودہ سماجی زندگی کی تبدیلیاں بنیادی عقائد ہیں۔ عالمی سطح پر مسلم ممالک میں بھی یہ تبدیلیاں ہورہی ہیں۔ اس لیے ہندوستانی مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ صداقت پرستی، کٹرپن اور دقیانوسی رسم و رواج کو ترک کردیں اور اپنے سوچنے اور عمل کرنے کے

1۔ ہندوستان کی تاریخ نویسی میں فرقہ واریت کا زہر۔ سجاد ظہیر۔ حیات۔ 23 اگست، 1970

1۔ ہندوستان کی تاریخ نویسی میں فرقہ واریت کا زہر۔ سجاد ظہیر۔ حیات۔ 23 اگست، 1970

طریقوں میں تبدیلی لائیں۔

مورخہ یکم نومبر 1964 کے ''حیات'' میں سجاد ظہیر نے جدید آرٹ کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے مشہور مصور مصلح احمد کی تصویروں کو نمائش میں دیکھنے کے بعد اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''اس ہفتے دہلی کے کونیکا آرٹ سینٹر میں مصلح احمد نے اپنی بیس (20) نئی تصویروں کی نمائش کی ہے۔ اس کا افتتاح نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے کیا۔ مصلح ہمارے ان گنتی کے چند آرٹسٹوں میں ہیں جو اپنے فن کو بڑی سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ برتتے ہیں۔ ان کی تصویروں کو دیکھ کر مجموعی احساس یہ ہوتا ہے کہ ان کی تخلیقات پر معنی اور پر مغز ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان میں جوش اور جذبہ بھی ہے۔ (1)

اس عبادت کو پڑھ کر سجاد ظہیر کی فنونِ لطیفہ میں گہری دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فنِ مصوری کی باریکیوں اور اس فن سے ان کے ذوق وشوق کا علم ہوتا ہے۔

اس طرح 20 ستمبر، 1964 کے ''حیات'' میں سجاد ظہیر نے ''مخدوم محی الدین کی نظم ''لخت جگر پر سرکاری عتاب'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس میں مخدوم کی نظم ''لختِ جگر'' پر عیسائیوں کو اعتراض تھا کہ مخدوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ہتک آمیز فقرہ استعمال کیا ہے۔ اسی سلسلے میں سجاد ظہیر لکھتے ہیں:

''اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بعض ہندوستانی عیسائی مخدوم کی نظم کے کسی فقرہ کو ہتک آمیز سمجھتے ہیں پھر بھی اس نظم کی ضبطی کا حکم دینے سے پہلے متعلقہ افسر یا افسران کا یہ فرض تھا کہ نظم کو اردو ادب کے چند مستند ماہرین کو دکھا کر ان کی رائے لے لیتے۔ چند کج فہم لوگوں کے احتجاج پر ایک شاعر اور ایک مؤقر رسالے کو معتوب کرنا سر تا سر غلط رائے اور اظہار خیال کی آزادی پر ناروا حملہ ہے۔'' (1)

سجاد ظہیر نقاد کے ساتھ ساتھ ایک معتبر مبصر بھی تھے۔ انھوں نے کئی شاعروں کے کلام پر تبصرے بھی لکھے ہیں۔ انھیں تبصروں میں ایک اہم تبصرہ راہی معصوم رضا کے مجموعۂ کلام ''اجنبی شہر اجنبی راستے'' بھی ہے جو 7 نومبر 1965 کے ''حیات'' میں شائع ہوا۔

مجموعۂ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے انفرادی رنگ اور راہی معصوم رضا کے شعری وژن پر اس انداز سے روشنی ڈالتے ہیں:

''اس کے مطالعے سے راہی کے شعری وژن اور صلاحیت کا پوری طرح اندازہ ہو

1۔ ہندوستان کی قومی زندگی میں مسلمانوں کا تاریخی رول۔ سجاد ظہیر۔ حیات۔ 25 اگست، 1967

1۔ جدید آرٹ کے مسائل۔ مصلح احمد کی نمائش۔ سجاد ظہیر۔ حیات۔ یکم نومبر، 1964

جاتا ہے، پورے مجموعہ کو پڑھنے کے بعد سب سے پہلے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ راہی کی شاعری ہر اعتبار سے مسلسل ترقی کر رہی ہے۔ راہی کو بعض Obsessions بھی ہیں یعنی بعض ایسے وہم اور خیال جوان کے دل میں دھنس گئے ہیں، ان میں سے ایک تنہائی کا احساس۔ ان کی مختلف نظموں میں بار بار تنہائی کی اندوہ ناکی، شدید غم، درد وکرب جو مایوسیوں اور نا امیدیوں سے پیدا ہوتا ہے کا اظہار ہوتا ہے۔'' (2)

مندرجہ بالا عبارتوں کی قرأت سے قاری بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سجاد ظہیر نے اردو میں اس نثر کی اولین کوششیں کیں جسے ہم عوامی یا People's زبان کہہ سکتے ہیں۔ ان عبارتوں میں نثر کی صفائی اور لہجے کی گرمی کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اتنا ہی نہیں مندرجہ بالا مثالوں نیز مذکورہ مضامین کے گوشوارے کے مطالعے کے بعد ہم سجاد ظہیر کو ایک بے باک اور نڈر صحافی کے روپ میں دیکھتے ہیں۔

اس عہد کے اخباروں میں جن میں سجاد ظہیر اکثر چھپتے تھے، بذاتِ خود سجاد ظہیر ان اخباروں کی خبروں میں اہم مقام رکھتے تھے۔ ان خبروں سے ان کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر مئی 1973 کے ''حیات'' دیکھیں، اس میں ان کی نظموں کے روسی ترجمہ ہونے کی خبر ہے۔

19 اگست 1964 کے ''عوامی دور'' صفحہ 14 پر ''ادب پر عوامی زندگی'' کے موضوع پر ان کی تقریر چھپی ہے جس کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سجاد ظہیر ایک اچھے خطیب بھی تھے۔ مثال کے طور پر ان کی تقریر کا یہ حصہ دیکھیں:

''سب سے پہلے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ میری رائے میں آج کی بحث کے لیے جو موضوع چنا گیا ہے یعنی یہ کہ ''ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ادب اور ہندوستانی قوم کی زندگی میں آزادی کے بعد سے فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔'' اس سے میں قطعی طور پر متفق نہیں ہوں۔ ہماری زبانوں کے ادب میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد ہمیشہ مختلف رجحانات رہے ہیں۔ وہ جنھوں نے ہماری قوم کے دھڑکتے ہوئے دل کی آواز سنی ہے، اس کے بیدار شعور کا اظہار کیا ہے، وہ جس نے حسن اور سچائی کی آئینہ داری کی ہے، وہ جس میں انسانیت کے ساتھ گہری ہمدردی کا جذبہ موجزن ہے اور جس کے رنگا رنگ گلدستے میں ہمارے وطن کی دھرتی کی مہک ہے! اور وہ جو ایسا نہیں ہے، جسے ہمارے عوام اور ان کی زندگی سے کوئی سروکار نہیں اور جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ زندگی

1۔ مخدوم کی نظم ''لختِ جگر پر سرکاری عتاب''، سجاد ظہیر۔ حیات۔ 20 ستمبر، 1954

2۔ فن کار اور جہتِ حیات ''اجنبی شہر اجنبی راستے''، سجاد ظہیر۔ حیات۔ یکم 7 نومبر، 1965

سچائیوں پر پردہ ڈالے، انھیں توڑے مروڑے، ذہنوں میں روشنی کے بجائے دھندلکا پھیلائے، دلوں میں آرزو اور امید کے بدلے مایوسی، پست ہمتی اور انسان کے بھوش کے متعلق شک وشبہ پیدا کرے اور اس طرح انفرادی اور اجتماعی عمل اور ترقی کی قوتوں کو مفلوج اور ناکارہ کردے۔''(1)

سجاد ظہیر کی صحافتی نثر کا مطالعہ (جسے ہم کئی خانوں میں بانٹ سکتے ہیں) دراصل ان کی شخصیت کے اہم گوشے کا مطالعہ ہے۔ وہ بنیادی طور پر جمہوری مزاج لے کر پیدا ہوئے تھے اور سمجھ چکے تھے کہ ''پدرم سلطان بود'' کی بیماری سے آزادی حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جمہوریت کا نظام ملک کے سیاسی وسماجی نیز اقتصادی فضا کو بدلنے کے لیے بڑھتا چلا آرہا ہے اور اس نظام میں صحافت ہی سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ لہٰذا انھوں نے ملک میں حالی، شبلی، محمد علی جوہر، مولانا آزاد وغیرہ نیز دیگر اکابرین کے نظریۂ صحافت کی توقیر کرتے ہوئے اردو میں کمیونسٹ صحافت کی روایت کو مستحکم کرنے میں اہم رول ادا کیا۔

یہ وہ صحافت تھی جو عوامی جدو جہد اور ملک میں پونجی وادی تصور کے خلاف نیز سامراج وادی پالیسیوں کے خلاف سینہ سپر تھی۔ اس نظریے کی عملی شکل دینے کے لیے جس بے مثال، نڈر اور بے باک صحافی کی ضرورت تھی اس کی کمی سجاد ظہیر نے پوری کردی اور اردو صحافت میں سجاد ظہیر کی یہی انفرادیت ہے۔

●

پتہ:
Naseer Uddin Azhar
Head Deptt. of Urdu
Yasin Meo Degreee College
Nooh, (Gurgaon), Haryana

1۔ ادب اور عوامی زندگی۔ سجاد ظہیر۔ ہفتہ وار ''عوامی دور'' نئی دہلی، 19 اگست، 1962